بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشارات

مسلم یونیورسٹی کورٹ نے اپنے گذشتہ سالانہ اجلاس (منعقدہ ۱۰ اپریل ۱۹۳۶ء) میں ایک ایسے اہم مسئلہ کی طرف توجہ کی ہے جو ایک عرصہ سے توجہ کا محتاج تھا، یعنی دینیات اور علوم اسلامیہ کے ناقص طرز تعلیم کی اصلاح اور یونیورسٹی کے طلبہ میں حقیقی اسلامی اسپرٹ پیدا کرنے کی ضرورت۔ جہاں تک جدید علوم و فنون اور ادبیات کی تعلیم کا تعلق ہے حکومت کی قائم کی ہوی یونیورسٹیوں میں اس کا بہتر سے بہتر انتظام موجود ہے، کم از کم اتنا ہی بہتر جتنا خود علی گڈھ میں ہے محض اس غرض کے لیے مسلمانوں کو اپنی ایک الگ یونیورسٹی قائم کرنے کی کوئی خاص ضرورت نہ تھی۔ ایک مستقل قومی یونیورسٹی قائم کرنیکا تخیل جس بنا پر مسلمانوں میں پیدا ہوا، اور جس بنا پر اس تخیل کو مقبولیت حاصل ہوی، وہ صرف یہ ہے کہ مسلمان جدید علوم سے استفادہ کرنے کے ساتھ "مسلمان" بھی رہنا چاہتے ہیں۔ یہ غرض سرکاری کالجوں اور یونیورسٹیوں سے پوری نہیں ہوتی۔ اسی لیے مسلمانوں کو اپنی ایک اسلامی یونیورسٹی کی ضرورت ہے۔ اگر ان کی اپنی یونیورسٹی بھی یہ غرض پوری نہ کرے، اگر وہاں سے بھی ویسے ہی گریجویٹ نکلیں جیسے سرکاری یونیورسٹیوں سے نکلتے ہیں، اگر وہاں بھی محض "صاحب لوگ" یا ہندی وطن پرست یا اشتراکی ملاحدہ پیدا ہوں، تو لاکھوں روپیہ کے صرف

ایک یونیورسٹی قائم کرنے اور چلانے کی کونسی خاص ضرورت ہے ؟

یہ ایسا سوال تھا جس پر ابتدا ہی میں کافی توجہ کرنے کی ضرورت تھی جب یونیورسٹی قائم کی جا رہی تھی اس وقت سب سے پہلے اسی بات پر غور کرنا چاہیے تھا کہ ہم کو ایک علیحدہ یونیورسٹی کی کیا ضرورت ہے اور اس ضرورت کو پورا کرنے کی کیا سبیل ہے ؟ مگر کسی نقاد نے آج کل کے مسلمانوں کی تعریف میں شاید سچ ہی کہا ہے کہ یہ کام پہلے کرتے ہیں اور سوچتے بعد میں ہیں۔ جن لوگوں کو یونیورسٹی بنانے کی دھن تھی، انھیں بس یونیورسٹی ہی بنانے کی دھن تھی، اس کا کوئی نقشہ ذہن میں نہ تھا۔ یہ سوال سرے سے پیش نظر ہی نہ تھا کہ ایک "مسلم" یونیورسٹی کیسی ہونی چاہیے اور کن خصوصیات کی بنا پر کسی یونیورسٹی کو "مسلم یونیورسٹی" کہا جا سکتا ہے۔ اس عمل بلا فکر کا نتیجہ یہ ہوا کہ بس ویسی ہی ایک یونیورسٹی علیگڈھ میں بھی قائم ہو گئی جیسی ایک آگرہ میں اور دوسری لکھنؤ میں اور تیسری ڈھاکہ میں ہے۔ لفظ "مسلم" کی رعایت سے کچھ دینیات کا حصہ بھی نصاب میں شریک کر دیا گیا۔ تاکہ جب کوئی دریافت کرے کہ اس یونیورسٹی کے نام میں لفظ "مسلم" کیوں رکھا گیا ہے تو اس کے سامنے قدوری اور منیۃ المصلی اور ہدایہ بطور سندِ اسلامیت پیش کر دی جائیں۔ مگر درحقیقت یونیورسٹی کی تاسیس و تشکیل میں کوئی ایسی خصوصیت پیدا نہیں ہوئی جس کی بنا پر وہ دوسری سرکاری یونیورسٹیوں سے ممتاز ہو کر حقیقی معنوں میں ایک "اسلامی یونیورسٹی" ہوتی۔

ممکن ہے کہ ابتدا میں تعمیر کے شوق اور جوش نے صحیح اور مناسب نقشہ پر غور کرنے کی مہلت نہ دی ہو لیکن عجیب بات یہ ہے کہ یونیورسٹی قائم ہوئے پندرہ سال ہو گئے اور اس دوران

میں ہمارے تعلیمی ناخداؤں نے ایک مرتبہ بھی یہ محسوس نہیں کیا کہ ان کی اصلی منزل مقصود کیا تھی اور ان کا راہ رو پشت بمنزل کدھر جا رہا ہے۔ ابتدا سے حالات صاف بتا رہے ہیں کہ یہ درسگاہ نہ اس ڈھنگ پر چل رہی ہے جس پر ایک اسلامی درسگاہ کو چلنا چاہیے اور نہ وہ نتائج پیدا کر رہی ہے جو دراصل مطلوب تھے۔ اس کے طلبہ اور ایک سرکاری یونیورسٹی کے طلبہ میں کوئی فرق نہیں۔ اسلامی کیرکٹر، اسلامی اسپرٹ، اسلامی طرز عمل مفقود ہے۔ اسلامی تفکر اور اسلامی ذہنیت ناپید ہے۔ ایسے طلبہ کی تعداد شاید ایک فی صدی بھی نہیں جو اس یونیورسٹی سے ایک مسلمان کی سی نظر اور مسلمان کا سا نصب العین لے کر نکلے ہوں اور جن میں یونیورسٹی کی تعلیم و تربیت نے یہ قابلیت پیدا کی ہو کہ اپنے علم اور اپنے قوائے عقلیہ سے کام لے کر ملت اسلامیہ میں زندگی کی کوئی نئی روح پھونک دیتے، یا کم از کم اپنی قوم کی کوئی قابل ذکر علمی و عملی خدمت ہی انجام دیتے۔ نتائج کی نوعیت اگر محض سلبی ہی رہتی تب بھی بسا غنیمت ہوتا۔ مگر افسوس یہ ہے کہ یونیورسٹی کے فارغ التحصیل اور زیر تعلیم طلبہ میں ایک بڑی تعداد ایسے نوجوانوں کی پائی جاتی ہے جن کا وجود اسلام اور اسلامی تہذیب اور مسلمان قوم کے لیے نفع نہیں بلکہ الٹا نقصان ہے۔ یہ لوگ روح اسلامی سے ناآشنا ہی نہیں بلکہ اس سے قطعاً منحرف ہو چکے ہیں۔ ان میں مذہب کی طرف سے صرف سرد مہری ہی نہیں بلکہ نفرت سی پیدا ہو گئی ہے۔ ان کے ذہن کا سانچہ ایسا بنا دیا گیا ہے کہ وہ تشکیک کی حد سے گذر کر انکار کے مقام پر پہنچ گئے ہیں، اور ان اصول اولیہ کے خلاف بغاوت کر رہے ہیں جن پر اسلام کی بنیاد قائم ہے۔

حال میں خود مسلم یونیورسٹی کے ایک فارغ التحصیل نوجوان نے، جو محض اپنی سلامت طبع کی وجہ سے "مرتد" ہوتے ہوتے رہ گئے، اپنے ایک پرائویٹ خط میں وہاں کے حالات

کی طرف چند ضمنی اشارات کیے ہیں۔ یہ خط اشاعت کے لیے نہیں ہے، اور نہ خصوصیت کے ساتھ علیگڈھ کی کیفیت بیان کرنے کے لیے لکھا گیا ہے، اس لیے ہم سمجھتے ہیں کہ اس میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ یونیورسٹی کی باطنی کیفیت کا نہایت صحیح مرقع ہے۔ صاحب خط نے خود اپنے ذہنی ارتقار کی روداد بیان کرتے ہوئے لکھا ہے :-

"علی گڈھ میں مجھے اسلامی دنیا کے خارجی فتنے یعنی تفریخ کی آخری ارتقائی شکل یعنی کمیونزم سے دوچار ہونا پڑا۔ میں پہلے مغربیت کو کوئی خطرناک چیز نہ سمجھتا تھا لیکن علیگڈھ کے تجربات نے مجھے حقیقت سے روشناس کرادیا۔ اسلامی ہند کے اس مرکز میں ایک خاصی تعداد ایسے افراد کی موجود ہے جو اسلام سے مرتد ہو کر کمیونزم کے پرجوش مبلغ بن گئے ہیں۔ اس جماعت میں اساتذہ میں سے کافی لوگ شامل ہیں۔ اور یہ اساتذہ تمام ذہین اور ذکی نوجوان طلبہ کو اپنے جال میں پھانستے ہیں۔ ان لوگوں نے کمیونزم اس لیے اختیار نہیں کیا کہ وہ غریبوں اور کسانوں اور مزدوروں کی حمایت اور امداد کرنا چاہتے ہیں، کیونکہ ان کی عملی مسرو فانہ زندگیاں ان کی بناوٹی باتوں پر پانی پھیر دیتی ہیں۔ بلکہ اس لیے کہ وہ ایک عالمگیر تحریک کے سایہ میں اپنی اخلاقی کمزوریوں اور اپنے ملحدانہ رجحانات طبع اور اپنی Loose-thinking کو Justify کرسکیں۔ کمیونزم نے پہلے مجھے بھی دھوکہ دیا۔ میں نے خیال کیا کہ یہ اسلام ہی کا ایک Unauthorised Edition ہے لیکن بغور مطالعہ کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ اسلام کے اور اس کے بنیادی نصب العین میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔"

اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ مسلم یونیورسٹی کی تعلیم و تربیت صرف ناقص ہی نہیں ہے، بلکہ ان مقاصد کے بالکل برعکس نتائج پیدا کر رہی ہے جن کے لیے سید احمد خاں

اور محسن الملک اور وقار الملک نے ایک مسلم یونیورسٹی کا خواب دیکھا تھا اور جن کے لیے مسلمانوں نے اپنی بساط سے بڑھ کر جوش و خروش کے ساتھ اس خواب کی عملی تعبیر کا خیر مقدم کیا تھا۔

آپ اُس انجنیر کے متعلق کیا رائے قائم کریں گے جس کی بنائی ہوی موٹر آگے چلنے کے بجائے پیچھے کی جانب دوڑتی ہو؟ اور وہ انجنیر آپ کی نگاہ میں کیسا ماہر فن ہوگا جو اپنی بنائی ہوی موٹر کو مسلسل اور پیہم الٹی حرکت کرتے دیکھتا رہے اور پھر بھی محسوس نہ کرے کہ اس کے نقشے میں کوئی خرابی ہے؟ غالباً ان صفات کا کوئی میکانیکل انجنیر تو آپ کو نہ مل سکے گا، لیکن آپ کی قوم کے تعلیمی انجنیر جس درجہ کے ماہر فن ہیں اس کا اندازہ آپ اس امر واقعہ سے کر لیجیے کہ وہ ایک ایسی تعلیمی مشین بنانے بیٹھے تھے جس کو اسلامی نصب العین کی جانب حرکت دینا مقصود تھا، مگر جو مشین انہوں نے بنائی وہ بالکل جانبِ مخالف میں حرکت کرنے لگی، اور مسلسل پندرہ سال تک حرکت کرتی رہی، اور ایک دن بھی ان کو محسوس نہ ہوا کہ ان کے نقشۂ تعمیر میں کیا غلطی ہے، بلکہ کوئی غلطی ہے بھی یا نہیں۔

بعد از خرابی بسیار اب یونیورسٹی کورٹ کو یاد آیا ہے کہ :-

"مسلم یونیورسٹی کے مقاصدِ اوّلیہ میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ اپنے طلبہ میں اسلامی روح پیدا کرے"

اور اس غرض کے لیے اس نے سات اشخاص کی ایک کمیٹی مقرر کی ہے جس کے سپرد یہ خدمت کی گئی ہے کہ :-

"تمام صورت حال کا جائزہ لے اور دینیات، علوم اسلامیہ کی تعلیم کے لیے ایسے جدید اور ترقی یافتہ ذرائع اختیار کرنے کی سفارش کرے جو ضروریات زمانہ سے مناسبت رکھتے ہوں اور جن سے اسلامی تعلیمات کو زیادہ اطمینان بخش طریق پر پیش کیا جا سکے۔

بڑی خوشی کی بات ہے۔ نہایت مبارک بات ہے۔ صبح کا بھولا اگر شام کو واپس آجائے تو اسے بھولا ہوا نہیں کہتے۔ اگر اب بھی ہمارے تعلیمی انجنیروں نے یہ محسوس کرلیا ہو کہ ان کی تعلیمی مشین غلط نقشے پر بنی ہے اور اپنے مقصد ایجاد کے خلاف اس کے چلنے کی اصلی وجہ محض بخت و اتفاق نہیں بلکہ نقشہ تاسیس و تشکیل کی خرابی ہے تو ہم خوشی کے ساتھ یہ کہنے کے لیے تیار ہیں کہ مضیٰ ما مضیٰ، اٹھو۔ اب اپنے پچھلے نقشے کی غلطیوں کو سمجھ لو اور ایک صحیح نقشہ پر اس مشین کو مرتب کرو لیکن ہمیں شبہ ہے کہ اب بھی اپنی غلطی کا کوئی صحیح احساس ان حضرات میں پیدا نہیں ہوا ہے۔ ابھی تک وہ اس امر کا اعتراف کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ ان کے نقشے میں کوئی بنیادی خرابی ہے۔ محض نتائج کی خوفناک ظاہری صورت ہی سے وہ متاثر ہوئے ہیں، اور بالکل سطحی نگاہ سے حالات کو دیکھ رہے ہیں۔

خدا کرے کہ ہمارا یہ شبہ غلط ہو۔ مگر پچھلے تجربات ہم کو ایسا ہی شبہ کرنے پر مجبور کرتے ہیں

پچھلی صدی کے وسط میں جب دو صدیوں کا پیہم انحطاط ایک خوفناک سیاسی انقلاب پر منتہی ہوا تھا اس وقت مسلمانوں کے ڈوبتے ہوئے بیڑے کو سنبھالنے کے لیے پردۂ غیب سے چند ناخدا پیدا ہو گئے تھے۔ وہ وقت زیادہ غور و خوض کا نہ تھا۔ یہ سوچنے کی مہلت ہی کہاں تھی کہ اس شکستہ جہاز کے بجائے ایک نیا اور پائیدار جہاز کس نقشے پر بنایا جائے۔ اس وقت تو صرف یہ سوال درپیش تھا کہ یہ قوم جو ڈوب رہی ہے اس کو ہلاکت سے کیونکر بچایا جائے۔ ناخداؤں میں سے ایک گروہ نے فوراً اپنے اُسی پرانے جہاز کی مرمت شروع کردی، انہی پرانے تختوں کو جوڑا، ان کے رخنوں کو بھرا اور پھٹے ہوئے بادبانوں کو رفو کر کے جیسے تیسے بن پڑا ہوا بھرنے کے قابل بنا لیا۔ دوسرے گروہ نے لپک کر ایک نیا دخانی جہاز کرایہ پر لے لیا اور ڈوبنے والوں کی ایک اچھی خاصی تعداد کو اس پر سوار کرا دیا

اس طریقہ سے دونوں گروہ اس اچانک مصیبت کو ٹالنے میں کامیاب ہو گئے۔ مگر یہ دونوں تدبیریں صرف اس حیثیت سے کامیاب تھیں کہ انہوں نے فوری ضرورت کے لحاظ سے چارہ سازی کر دی اور ڈوبتوں کو ہلاکت سے بچا لیا۔ ان میں حکمت اور دانشمندی جو کچھ بھی تھی، صرف اسی حد تک تھی۔ اب جو لوگ اس وقت کے ٹل جانے کے بعد بھی انہی دونوں تدبیروں کو ٹھیک ٹھیک انہی دونوں شکلوں پر باقی رکھنا چاہتے ہیں ان کا طرز عمل حکمت و دانش کے خلاف ہے۔ نہ تو پرانا بادبانی جہاز اس قابل ہے کہ مسلمان صرف اسی پر بیٹھ کر ان قوموں سے مطابقت کر سکیں جن کے پاس اس سے ہزار گنی زیادہ تیز رفتار سے چلنے والے کلدار جہاز ہیں۔ نہ کرایہ پر لیا ہوا دخانی جہاز اس لائق ہے کہ مسلمان اس کے ذریعہ سے اپنی منزل مقصود کو پہنچ سکیں، کیونکہ اس کا ساز و سامان تو ضرور نیا ہے اور اس کی رفتار بھی تیز ہے اور وہ کلدار بھی ہے، مگر وہ دوسروں کا جہاز ہے، اس کا ڈزائن انہی کے مقاصد اور انہی کی ضروریات کے لیے موزوں ہے، اور اس کے رہنما اور ناخدا بھی وہی ہیں، لہٰذا اس جہاز سے ہم کبھی یہ امید نہیں کر سکتے کہ وہ ہمیں اپنی منزل مقصود کی طرف لے جائے گا، بلکہ اس کی تیز رفتاری سے الٹا خطرہ یہ ہے کہ وہ ہمیں زیادہ سرعت کے ساتھ مخالف سمت پر لے جائے گا، اور روز بروز ہمیں اپنی منزل مقصود سے دور کرتا چلا جائے گا۔ فوری ضرورت کے وقت تو وہ لوگ بھی حق بجانب تھے جنہوں نے پرانے جہاز کی مرمت کی، اور وہ بھی غلطی پر نہ تھے جنہوں نے کرایہ کے جہاز پر سوار ہو کر جان بچائی۔ مگر اب وہ بھی غلطی پر ہیں جو پرانے جہاز میں ڈٹے بیٹھے ہیں، اور وہ بھی غلطی پر ہیں جو اسی کرایہ کے جہاز پر جمے ہوئے ہیں۔

اصلی رہنما اور حقیقی مصلح کی تعریف یہ ہے کہ وہ اجتہاد فکر سے کام لیتا ہے اور

وقت اور موقع کے لحاظ سے جو مناسب ترین تدبیر ہوتی ہے اسے اختیار کرتا ہے۔ اس کے بعد جو لوگ اس کا اتباع کرتے ہیں وہ اندھے مقلد ہوتے ہیں۔ جس طریقہ کو اس نے وقت کے لحاظ سے اختیار کیا تھا، اسی طریقہ پر یہ اس وقت کے گذر جانے کے بعد بھی آنکھیں بند کر کے چلے جاتے ہیں، اور اتنا نہیں سوچتے کہ ماضی میں جو انسب تھا حال میں وہی غیر انسب ہے۔ پچھلی صدی کے رہنماؤں کے بعد اُن کے متبعین آج بھی اسی روش پر اصرار کر رہے ہیں جس پر ان کے رہنما انہیں چھوڑ گئے تھے، حالانکہ وہ وقت جس کے لیے انہوں نے وہ روش اختیار کی تھی، گذر چکا ہے۔ اب اجتہاد فکر سے کام لے کر نیا طریقہ اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

بدقسمتی سے ہم کو دونوں گروہوں میں ایک بھی مجتہد نظر نہیں آتا۔ انتہائی جرأت کر کے پرانے جہاز والوں میں سے کوئی اگر اجتہاد کرتا ہے تو بس اتنا کہ اپنے اسی پرانے جہاز میں چند بجلی کے بلب لگا لیتا ہے، کچھ نئے طرز کا فرنیچر مہیا کر لیتا ہے، اور ایک چھوٹی سی دخانی کل خرید لاتا ہے جس کا کام اس کے سوا کچھ نہیں کہ دور سے سیٹی بجا بجا کر لوگوں کو یہ دھوکہ دیتی رہے کہ یہ پرانا جہاز اب نیا ہو گیا ہے۔ اس کے مقابلے میں نئے جہاز والے اگرچہ دوسروں کے جہاز پر بیٹھے ہیں اور تیزی کے ساتھ سمت مخالف پر بہے چلے جا رہے ہیں، مگر دو چار پرانے بادبان بھی لیکر بیسویں صدی کے اس اپ ٹو ڈیٹ جہاز میں لگائے ہوئے ہیں، تاکہ خود اپنے نفس کو اور مسلمانوں کو یہ دھوکہ دے سکیں کہ یہ جہاز بھی "اسلامی جہاز" ہے اور لندن کے راستہ سے حج کعبہ کو چلا جا رہا ہے۔

اندھی تقلید اور اس کے ساتھ اجتہاد کی جھوٹی نمائش تا بکے۔ ایک طوفان گذر گیا اب دوسرا طوفان بہت قریب ہے۔ ہندوستان میں ایک دوسرے سیاسی انقلاب کی بنا

پڑ رہی ہے۔ ممالک عالم میں ایک اور بڑے انقلاب کے سامان ہو رہے ہیں جو بہت ممکن ہے کہ ہندوستان میں متوقع انقلاب کے بجائے ایک بالکل غیر متوقع اور ہزار درجہ زیادہ خطرناک انقلاب برپا کر دیں یہ آنے والے انقلابات ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کی بہ نسبت اپنی نوعیت اور اپنی شدت کے لحاظ سے بالکل مختلف ہوں گے۔ اس وقت مسلمانوں کی اعتقادی و ایمانی اور اخلاقی و عملی حالت جیسی کچھ ہے اس کو دیکھتے ہوئے ہم نہیں سمجھتے کہ وہ ان آنے والے طوفانوں کی ایک ٹکر بھی خیریت کے ساتھ سہ سکیں گے۔ ان کا پرانا جہاز دور جدید کے کسی ہولناک طوفان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ شاید ایک ہی تھپیڑے میں اس کے تختے بکھر جائیں، اور اس کے بادبانوں کا تار تار الگ ہو جائے۔ رہا انکا کرایہ کا جہاز تو وہ پرانے جہاز سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ جو لوگ اس پر سوار ہیں، ہمیں خوف ہے کہ طوفانی دور کا پہلا ہی تھپیڑا ان کو ملت اسلامیہ سے جدا کر کے شاید ہمیشہ کے لیے ضلالت کے قعر عمیق میں لے جائیگا، لاقدر اللہ۔ پس اب یہی وقت ہے کہ مسلمان پرانے جہاز سے بھی نکلیں اور کرایہ کے جہاز سے بھی اتریں، اور خود اپنا ایک جہاز بنائیں جس کے آلات اور کل پرزے جدید ترین ہوں، مشین موجودہ دور کے تیز سے تیز جہاز کے برابر ہو، مگر نقشہ ٹھیٹھ "اسلامی جہاز" کا ہو، اور اس کے انجنیر اور کپتان اور دیدبان سب وہ ہوں جو منزل کعبہ کی راہ و رسم سے باخبر ہوں۔

استعارہ کی زبان چھوڑ کر اب ہم کچھ صاف صاف کہیں گے۔ سرسید احمد خان مرحوم و مغفور کی قیادت میں علیگڈھ سے جو تعلیمی تحریک اٹھی تھی اس کا وقتی مقصد یہ تھا کہ مسلمان اس نئے دور کی ضروریات کے لحاظ سے اپنی دنیا درست کرنے کے قابل ہو جائیں، تعلیم جدید سے بہرہ مند ہو کر اپنی معاشی اور سیاسی حیثیت کو تباہی سے بچا لیں، اور ملک کے جدید نظم و نسق سے استفادہ کرنے میں دوسری قوموں سے پیچھے نہ رہ جائیں۔ اس وقت اس سے زیادہ کچھ کرنے کا موقع نہ تھا۔ اگرچہ اس تحریک میں فوائد کے ساتھ نقصانات اور خطرات بھی تھے مگر اس وقت

آتنی مہلت نہ تھی کہ غور و تفکر کے بعد کوئی ایسی محکم تعلیمی پالیسی متعین کی جاتی جو نقصانات سے پاک اور فوائد سے لبریز ہوتی۔ نہ اس وقت ایسے اسباب موجود تھے کہ اس نوع کی تعلیمی پالیسی کے مطابق عمل درآمد کیا جا سکتا۔ لہٰذا محض وقتی ضرورت کو پیش نظر رکھکر مسلمانوں کو اسی طرز تعلیم کی طرف دھکیل دیا گیا جو ملک میں رائج ہو چکا تھا۔ اور خطرات سے بچنے کے لیے کچھ تھوڑا سا عنصر اسلامی تعلیم و تربیت کا بھی رکھ دیا گیا جس کو جدید تعلیم اور جدید تربیت کے ساتھ قطعاً کوئی مناسبت نہ تھی۔

یہ صرف ایک وقتی تدبیر تھی جو ایک آفت ناگہانی کا مقابلہ کرنے کے لیے فوری طریق پر اختیار کر لی گئی تھی۔ اب وہ وقت گذر چکا ہے جس میں فوری تدبیر کی ضرورت تھی، وہ فائدہ بھی حاصل ہو چکا ہے جو اس تدبیر سے حاصل کرنا مقصود تھا، اور وہ خطرات بھی واقعہ کی صورت میں نمایاں ہو چکے ہیں جو اُس وقت صرف موہوم تھے۔ اس تحریک نے ایک حد تک ہماری دنیا تو ضرور بنا دی، مگر جتنی دنیا بنائی اس سے زیادہ ہمارے دین کو بگاڑ دیا۔ اس نے ہم میں "کالے فرنگی" پیدا کئے۔ اس نے ہم میں "اینگلو محمڈن" اور "اینگلو انڈین" پیدا کئے اور وہ بھی ایسے جن کے نفسیات میں "محمڈن" اور "انڈین" کا تناسب بس برائے نام ہی ہے۔ اس نے ہماری قوم کے طبقۂ علیا اور طبقہ متوسط کو، جو دراصل قوم کے اعضائے رئیسہ ہیں، باطنی و ظاہری دونوں حیثیتوں سے یورپ کی مادی تہذیب کے ہاتھ فروخت کر دیا، صرف اتنے معاوضہ پر کہ چند عہدے، چند خطاب اور چند کرسیاں ایسے لوگوں کو مل جائیں جن کے نام مسلمانوں سے ملتے جلتے ہوں۔ سوال یہ ہے کہ کیا اب دائماً ہماری یہی تعلیمی پالیسی رہنی چاہیے؟ فی الواقع اگر یہی ہماری دائمی پالیسی ہے تو اس کے لیے علی گڑھ کی کوئی ضرورت اب باقی نہیں رہی۔ ہندوستان کے ہر بڑے مقام پر ایک "علیگڈھ" موجود ہے جہاں سے دھڑا دھڑ "اینگلو محمڈن" اور "اینگلو انڈین" نکل رہے ہیں۔ پھر یہ بس بھری فصل کاٹنے کے لیے ہم کو اپنا ایک مستقل مزرعہ رکھنے کی حاجت ہی کیا ہے؟ اور اگر درحقیقت اس حالت کو بدلنا مقصود ہے، تو ذرا ایک حکیم کی نظر سے دیکھئے کہ خرابی کے اصل اسباب کیا ہیں اور اسکو

دور کرنے کی صحیح صورت کیا ہے۔

جدید تعلیم و تہذیب کے مزاج اور اس کی طبیعت پر غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ وہ اسلام کے مزاج اور اسکی طبیعت کے بالکل منافی ہے۔ اگر ہم اس کو بجنسہ لیکر اپنی نوخیز نسلوں میں پھیلائیں گے تو ان کو ہمیشہ کے لیے ہاتھ سے کھو دینگے۔ آپ انکو وہ فلسفہ پڑھاتے ہیں جو کائنات کے مسئلے کو خدا کے بغیر حل کرنا چاہتا ہے۔ آپ انکو وہ سائنس پڑھاتے ہیں جو معقولات سے منحرف اور محسوسات کا غلام ہے۔ آپ ان کو تاریخ، سیاسیات، معاشیات، قانون اور تمام علوم عمرانیہ کی وہ تعلیم دیتے ہیں جو اپنے اصول سے لیکر فروع تک اور نظریات سے لیکر عملیات تک اسلام کے نظریات اور اصول عمران سے یکسر مختلف ہے۔ آپ ان کی تربیت تمام تر ایسی تہذیب کے زیر اثر کرتے ہیں جو اپنی روح اور اپنے مقاصد اور اپنے مناہج کے اعتبار سے کلیۃً اسلامی تہذیب کی ضد واقع ہوی ہے۔ اس کے بعد کس بنا پر آپ یہ امید رکھتے ہیں کہ ان کی نظر اسلامی نظر ہوگی؟ انکی سیرت اسلامی سیرت ہوگی؟ انکی زندگی اسلامی زندگی ہوگی؟ قدیم طرز پر قرآن و حدیث اور فقہ کی تعلیم اس نئی تعلیم کے ساتھ بے جوڑ ہے۔ اس قسم کے عمل تعلیم سے کوئی خوشگوار پھل حاصل نہ ہوگا۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے فرنگی اسٹیمر میں پرانے بادبان محض نمائش کے لیے لگا دیے جائیں۔ مگر ان بادبانوں سے فرنگی اسٹیمر قیامت تک اسلامی اسٹیمر نہ بنیگا۔

اگر فی الواقع علیگڈھ یونیورسٹی کو مسلم یونیورسٹی بنانا ہے تو سب سے پہلے مغربی علوم و فنون کی تعلیم پر نظر ثانی کیجیے۔ ان علوم کو جوں کا توں لینا ہی درست نہیں ہے۔ طالب علموں کی لوح سادہ پر اس نوع کی تعلیم کا نقش اس طرح مرتسم ہوتا ہے کہ وہ ہر مغربی چیز پر ایمان لاتے چلے جاتے ہیں۔ تنقید کی صلاحیت ان میں پیدا ہی نہیں ہوتی، اور اگر پیدا بھی ہوتی ہے تو فی ہزار ایک طالب علم میں فارغ التحصیل ہونے کے بعد سالہا سال کے گہرے مطالعے سے جبکہ وہ زندگی کے آخری مرحلوں میں پہنچ جاتا ہے اور کسی عملی کام کے قابل نہیں رہتا۔ اس طرز تعلیم کو بدلنا چاہیے۔ تمام مغربی علوم کو طلبہ کے سامنے تنقید کیساتھ پیش کیجیے، اور یہ تنقید خالص اسلامی نظر سے ہو تاکہ وہ ہر قدم پر ان کے ناقص اجزاء کو چھوڑتے جائیں، اور صرف کارآمد حصوں کو لیتے چلے جائیں۔

اس کے ساتھ علوم اسلامیہ کو بھی قدیم کتابوں سے جوں کا توں نہ لیجیے بلکہ ان میں سے بھی متاخرین کی آمیزشوں کو الگ کر کے اسلام کے دائمی اصول و حقیقی اعتقادات، اور غیر متبدل قوانین لیجئے، ان کی اصلی اسپرٹ دلوں میں اتاریئے اور ان کا صحیح تدبر دماغوں میں پیدا کیجیے۔ اس غرض کے لیے آپ کو بنا بنایا نصاب کہیں نہ ملیگا ہر چیز از سر نو بنانی ہوگی۔ قرآن اور سنت رسول کی تعلیم سب پر مقدم ہے۔ مگر تفسیر و حدیث کے پرانے ذخیروں سے نہیں۔ انکے پڑھانے والے ایسے ہونے چاہییں جو قرآن اور سنت کے مغز کو پا چکے ہیں۔ اسلامی قانون کی تعلیم بھی ضروری ہے۔ مگر یہاں بھی پرانی کتابیں کام نہ دیں گی۔ آپ کو معاشیات کی تعلیم میں اسلامی نظم معیشت کے اصول، قانون کی تعلیم میں اسلامی قانون کے مبادی، فلسفہ کی تعلیم میں حکمت اسلامیہ کے نظریات، تاریخ کی تعلیم میں اسلامی فلسفۂ تاریخ کے حقائق اور اسی طرح ہر علم و فن کی تعلیم میں اسلامی عنصر کو ایک غالب اور حکمران عنصر کی حیثیت سے داخل کرنا ہوگا۔

آپ کے تعلیمی اسٹاف میں جو ملاحدہ اور متفرنجین بھر گئے ہیں انکو رخصت کیجیے۔ خوش قسمتی سے ہندوستان میں ایک جماعت ایسے لوگوں کی پیدا ہو چکی ہے جو علوم جدیدہ میں بصیرت رکھنے کے ساتھ دل و دماغ اور نظر و فکر کے اعتبار سے پورے مسلمان ہیں۔ ان بکھرے ہوئے جواہر کو جمع کیجیے تاکہ وہ جدید آلات سے اسلامی نقشہ پر ایک اسٹیمر بنا سکیں۔

آپ کہیں گے انگریز ایسی تعمیر کی اجازت نہ دیگا، یہ ایک حد تک صحیح ہے مگر آپ اس سے پوچھیے کہ تو پورے مسلمان اور پورے کمیونسٹ میں سے کس کو زیادہ پسند کرتا ہے؟ ان دونوں میں سے ایک کو بہرحال تجھے قبول کرنا ہوگا۔ ۱۹۱۷ء کا "اینگلو محمڈن" مسلمان اب زیادہ مدت تک نہیں پایا جا سکتا۔ اب اگر تو مسلمانوں کی نئی نسلوں کو پورا کمیونسٹ دیکھنا چاہتا ہے تو اپنی قدیم اسلام دشمنی پر جمارہ۔ نتیجہ خود تیرے سامنے آجائیگا اور اگر یہ منظور نہیں تو نہ صرف مسلمانوں میں بلکہ تمام ہندوستان میں کمیونزم کی بڑھتی ہوئی وبا کا مقابلہ صحیح النسب سانڈوں اور ریڈیو کے دیہاتی پروگرام سے نہیں کیا جا سکتا۔ اس وبا کو صرف ایک طاقت روک سکتی ہے اور وہ اسلام کی طاقت ہے۔